# پاکستان کو نئے آئین کی ضرورت ہے

## تمہید

مملکِ خداداد پاکستان اکسٹھ برس پورے کر چکا ہے۔ پہلی نسل دنیا سے گزر چکی ہے۔ دوسری نسل گزرنے کو ہے۔ تیسری نسل پختہ عمر کو پہنچ چکی ہے اور چوتھی نسل یونیورسٹی تک کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ اس چوتھی نسل کے کچھ جوان دو ہفتے قبل شادی کی ایک تقریب میں مجھ سے آن کر بڑے ادب سے ملے اور نہایت احترام سے میری کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے جنھیں وہ لائبریریوں سے لے کر پڑھ چکے تھے، بولے، ''سر، پاکستان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ آپ پاکستان پر کب لکھیں گے؟''

ہر طرف سے آواز اٹھ رہی ہے کہ پاکستان نازک دور سے گزر رہا ہے۔ دو طرفہ خارجی حملوں کا اندیشہ ہے اور اندرونِ ملک حصے بخرے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مہنگائی، جرائم، بے روزگاری اور دہشت گردی سے سب واقف ہیں مگر بے بس نظر آتے ہیں۔ ٹی وی چینلوں پر بحث مباحثے اور اخبار کے کالم نویس کی نگارشات سے پتہ چلتا ہے کہ اب قوم پہلے کی طرح فوج کی طرف نہیں دیکھ رہی ہے اور فوج کے سربراہ نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ وہ سیاست سے دور رہیں گے۔ صدرِ مملکت کا بھی فرمان ہے کہ اسمبلیاں توڑنے کے اختیارات استعمال نہیں کیے جائیں گے۔ جیسے تیسے ہو اسی حکومت کو پانچ سال پورے کرنے ہوں گے۔ تو کیا پانچ سال اسی طرح افراتفری، مایوسی اور نا اُمیدی میں گزر جائیں گے؟ اب کہیں کہیں سے یہ آواز بھی اٹھنے لگی ہے کہ دانشوروں کو تجویز دینی چاہیے کہ کس طرح ملک کو نازک دور سے نکال کر آگے لے جایا جائے۔

میں دانشور تو نہیں، سوچتا ضرور ہوں۔ پڑھتا بھی ہوں اور لکھتا بھی ہوں اور اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ سب سے پہلے تمام خرابیوں کی جڑوں کو تلاش کیا جائے اور ایک ایک کر کے ان کا خاتمہ کیا جائے اور اب میری جو پختہ رائے ہے وہ یہ کہ پاکستان کے موجودہ آئین کی جگہ نیا آئین تیار کیا جائے اور چونکہ نئی عمارت پرانی عمارت کے اوپر نہیں تعمیر کی جاتی بلکہ نئی بنیادوں پر کھڑی کی جاتی ہے اس لیے نئے آئین کے لیے نئی بنیادیں تیار کرنی ہوں گی۔ یہ کون کرے گا؟ قوم خود کرے گی چاہے موجودہ حکومت اور اسمبلیوں کے ذریعے، چاہے فوج کے ذریعے، چاہے انقلابی قوتوں کے ذریعے، کرنا قوم کو ہی ہوگا۔

ذیل میں نئے آئین کا خاکہ تیار کر کے تیسری اور چوتھی نسل کے حوالے کر رہا ہوں۔ تمام تجاویز قابلِ عمل ہیں۔ صرف

پاکستان کے استحکام ،یکجہتی اور ترقی کو پیشِ نظر رکھ کر غور کرنا ہوگا۔

## مجوزہ خاکہ

### ا۔جمہوریت بغیر سیاسی جماعتوں کے قائم کی جائے:

اب تک بارہ سیاسی وزیر اعظموں اور چار جنرلوں نے حکومت کی ہے۔جنرل کا دورانیہ گرچہ طویل رہا ہے لیکن مارشل لا کی بہ نسبت سیاست دانوں کے ذریعے انھوں نے زیادہ عرصہ حکومت کی ہے۔جنرل پوری طرح با اختیار ہونے کے باوجود چند ایک سطحی ترقیات کے سوا بنیادی تبدیلیاں نہیں لا سکے۔وہ اس لیے کہ ہر جنرل کو سیاست دانوں کا سہارا لینا پڑا۔انھیں پر مشتمل سیاسی پارٹیاں بنائیں جنھوں نے بالآخر جنرلوں کو اس طرح پھنسایا اور ایسے اقدامات کروائے کہ انھیں گالیاں سننا پڑیں اور جنرل(ر)پرویز مشرف نے الیکٹرونک میڈیا اور پریس کو مکمل آزادی دے کر وہ وہ صلواتیں سنیں کہ اب سے پہلے ایسی گالیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔اور اب سیاست دانوں کو اقتدار منتقل کیے جانے کے بعد کہا جاتا ہے کہ پاکستان نازک دور سے گزر رہا ہے۔جو نظر آرہا ہے وہ تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں کہ کراچی اسٹاک ایکسچینج تیزی سے مندی کی طرف جارہا ہے۔وجہ یہی بتائی جارہی ہے کہ ملک میں چونکہ سیاسی عدم استحکام ہے اس لیے سرمایہ باہر جارہا ہے۔زرمبادلہ کے ذخائر کم ہورہے ہیں۔ملک میں سرمایہ کاری نہیں ہورہی ہے۔کارخانے بند ہورہے ہیں، ہڑتالیں ہورہی ہیں۔بیروزگاری بڑھ رہی ہے۔اللہ خیر کرے!

سیاسی جماعتوں کے نزدیک سب سے پہلے پارٹی کا مفاد عزیز ہوتا ہے۔وہ پالیسی بناتے وقت اور ہر اقدام سے پہلے پارٹی کے مفاد کی سوچتے ہیں۔ساری تیاری آئندہ الیکشن کے لیے ہوتی ہے۔مسابقت اتنی ہے کہ ایک ایک ممبر کی نشست کے لیے لاکھوں نہیں کروڑوں خرچ کیے جارہے ہیں۔اتنی بڑی بڑی رقمیں وہ کہاں سے لاتے ہیں؟ اقتدار میں ہوتے ہیں تو ہیرا پھیری کرکے،عوام کے ٹیکسوں کی رقم خرد برد کرکے،بڑے بڑے قرضے لے کر پھر انھیں معاف کرواکر جیبیں بھرتے ہیں۔ایسا کرنا ہر پارٹی کی سیاسی ضرورت ہے۔آخر وہ الیکشن کے اخراجات کس طرح پورا کریں گے؟

دوسری ضرورت ان کی آئے دن کی غلط بیانی ہے اور دوسری پارٹیوں پر الزام تراشیاں ہیں اور یہ جھوٹ اس حد تک جائز ہے کہ مذہبی سیاسی پارٹیوں کے سربراہ بھی دھڑلے سے بولتے ہیں جبکہ اسلامی تعلیم ہے کہ بغیر تحقیق کیے بات آگے مت بڑھاؤ۔آگے تو کیا یہ پریس کانفرنسیں کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔پھر ڈٹ کر Blame game شروع ہوجاتا ہے۔چینل والے اور اخبار والے مزے لے لے کر گھٹاتے بڑھاتے رہتے ہیں اور عوام اب ایسی تفریح سے زیادہ لطف اندوز ہونے لگے ہیں۔عوام نے سنجیدگی سے غور کرنا

چھوڑ دیا ہے۔سیاسی لیڈر سیاست کو اس طرح نچلی سطح پر لے آئے ہیں اس لیے مطمئن ہیں کہ جب ریلیاں نکالنی ہوں گی، احتجاج کرنا ہوگا تو لوٹ مار کے لیے نچلی سطح کے لوگ آئیں گے۔وہ مزے میں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے ہوں گے۔سیاسی جماعتیں سیاسی کشمکش سے ہی زندہ رہتی ہیں۔جلسے جلوس اور ہڑتالیں ان کے لیے کھاد کا کام دیتی ہیں، غذائیت فراہم کرتی ہیں۔

سیاسی جماعتوں کی وجہ سے قوم کا ذہن تقسیم ہی نہیں بلکہ انتشار کا شکار رہتا ہے۔یہاں تک کہ افواج اور عدلیہ جنھیں مقدس سمجھتے ہوئے سیاست سے دور رہنے کو کہا گیا ہے اب کھل کر سامنے آگئے ہیں کہ کون کس پارٹی کا طرف دار ہے اور کون کس پارٹی کا۔

پارٹی کارکنوں کا رویہ عام آدمی کے ساتھ جیسا ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ان کی سفارشوں سے سرکاری کام کروانا آسان ہو جاتا ہے ورنہ بڑی بڑی رقمیں بطور رشوت دینا تو معمول بن چکا ہے۔دوسری طرف اگر برسر اقتدار پارٹی کے کارکنوں کے ساتھ تعلقات درست نہیں ہیں تو آپ پر مقدمہ بھی قائم کیا جا سکتا ہے اور بھی کیا کچھ ہوتا رہا ہے ہم سب واقف ہیں۔

اب یہ سوال کہ عوام کی سیاسی تربیت کس طرح ہوگی، انھیں سیاسی شعور کون دے گا تو عرض ہے کہ ٹی وی چینلز اور اخبارات کے کالم یہ کام یوں انجام دیں گے کہ اب ان کے سامنے جو بھی موضوعات اور مسائل ہوں گے ان پر سنجیدہ گفتگو ہو سکے گی۔دریاؤں کا سارا پانی سمندر میں بہہ جانے کو روکنے کے لیے کالا باغ ڈیم ضروری ہے یا نہیں۔موجودہ صورتوں میں صوبوں کو خود مختاری دینے سے پاکستان کمزور ہوگا یا نہیں، قومی یکجہتی کے لیے یک قومی زبان کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔چپے چپے پر غلہ اگانا ضروری ہے یا نہیں۔ضروری ہے تو پھر کس طرح اگایا جا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔جب سیاسی جماعتیں نہیں ہوں گی تب کسی مسئلے کو سیاسی رنگ نہیں دیا جا سکے گا۔سماجی اور پیشہ ورانہ تنظیمیں اور یونینیں موجود ہوں گی جن کے مطالبات کی روشنی میں بھی مسائل کا پورا علم ہو سکے گا۔

اب رہی جمہوریت اور وہ بھی مغربی جمہوریت۔یہ سوچے بغیر کہ وہ قومیں کئی صدیاں گزار کر یہاں تک پہنچی ہیں کہ وہاں کم از کم میٹرک تک مفت اور لازمی تعلیم کے سبب سو فی صد تعلیم یافتہ ہیں۔ہمارے یہاں صرف نام لکھنے والے کو پڑھے لکھوں میں شامل کر کے بتایا جاتا ہے کہ پاکستان میں تعلیم کی شرح بیس فی صد ہے جب کہ ان کے معیار کے مطابق میٹرک پاس شدہ تک کو شامل کرنے سے ہماری شرح ایک اندازے کے مطابق صرف آٹھ فی صد بنتی ہے۔

۴۶-۱۹۴۵ء کے الیکشن میں پراونشل اسمبلی کے ووٹر کے لیے میٹرک کی تعلیم کی شرط تھی اور سینٹرل اسمبلی کے لیے ووٹر کا گریجویٹ ہونا ضروری تھا۔علاوہ دوسری شرطوں کے۔اب جو ووٹروں کو ریوڑوں کی طرح ہانک کر پولنگ بوتھ تک لے جایا جاتا ہے تو کیا ان کی اپنی بھی کوئی رائے ہوتی ہے؟ پھر لوگوں کے ذریعے، لوگوں کے لیے، لوگوں کی حکومت کس طرح قائم ہو سکتی ہے۔

سیاسی جماعتوں میں پارٹی کا جو لیڈر ہوتا ہے وہی عقلِ کل ہوتا ہے۔اس کی پارٹی میں کتنے ہی گریجویٹ اور کتنے ہی پی ایچ ڈی کیوں نہ ہوں ان کی کب سنی جاتی ہے۔لیڈر کی بات مانو اور اگر اختلاف کرتے ہو تو پارٹی سے نکل جاؤ۔یہی اصول کارفرما رہتا

ہے۔

ان باتوں کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر جمہوری قوتیں حکمرانی کریں۔حکمرانی تو عوام کے ووٹوں سے ہی عمل میں آئے گی۔

اب مثلاً قومی اسمبلی کی تین سونشستوں کے تین سوحلقۂ انتخاب متعین کیے گئے ہیں۔ان حلقوں میں جو امیدوار ہوں گے وہ اپنی صلاحیت، علمیت، قابلیت اورکارکردگی کے بل بوتے پر انتخاب لڑیں گے۔ان کی پشت پر نہ پارٹی کا سرمایہ ہوگا اور نہ پروپگینڈا۔یہ انتخاب بھی اسی حلقے سے لڑیں گے جہاں ان کی بودوباش ہے۔وہیں کے ووٹر انھیں ووٹ دیں گے۔اس طرح تین سو امیدوار کامیاب ہوکر قومی اسمبلی میں پہنچیں گے تو ان کی اپنی رائے ہوگی۔جس بات کو وہ اپنی فہم کے مطابق درست سمجھیں گے اس کے حق میں رائے دیں گے اور جسے غلط سمجھیں گے اس کے خلاف رائے دیں گے۔ایسا نہیں ہوگا کہ ہمیشہ ہاں (حزب اقتدار میں ہوئے تو) اور ہمیشہ ناں (اپوزیشن میں ہوئے تو) کرتے رہیں گے۔

علامہ اقبال کو سب نے دانشور تسلیم کیا ہے۔اقبالیات پر جانے کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔اب تو ان کی بات مان لینی چاہیے۔انھوں نے جب فرمایا کہ:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اور

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

تو سوچ سمجھ کر ہی فرمایا ہوگا۔

ہم نے جس طرح قومی اسمبلی تشکیل کی ہے اس میں ہر فرد کی صلاحیت، اہلیت، قابلیت اور فہم ودانش قوم کے کام آسکتی ہے۔اس طرح گنتی پوری کرنے کے بجائے ہر فرد کا اپنا وزن ہوگا اور وہ ''ملت کے مقدر کا ستارہ'' بھی بن سکے گا۔

## ۲۔صدارتی نظام قائم کیا جائے

موجودہ پارلیمانی نظام میں قومی اسمبلی قانون سازی بھی کرتی ہے اور وزیرِ اعظم کے ذریعے حکمرانی بھی۔وزیرِ اعظم اعتماد کے ووٹوں کا محتاج ہوتا ہے اس لیے اپنی پارٹی اور اتحادی پارٹیوں کو خوش رکھنے کے لیے بے تحاشا وزارتیں دی جاتی ہیں۔وزراء، وزرائے

مملکت اور مشیران، یہاں تک کہ نئی نئی وزارتیں قائم کی جاتی ہیں اور بہت سی مراعات اور سہولتیں ممبرانِ اسمبلی کو عطا کی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ کابینہ میں توسیع کی گنجائش ہمیشہ رکھی جاتی ہے۔ ہارس ٹریڈنگ بھی ہم سنتے رہتے ہیں۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وزیراعظم، صدر اور فوج کے سربراہ تین طاقتیں حکمرانی کرتی چلی آ رہی ہیں۔ انھیں 'ٹرائیکا' کا نام دیا گیا ہے۔ ان تینوں کا ہم آہنگ ہونا مشکل رہا ہے۔ کشمکش جاری رہتی ہے اس لیے سیاسی استحکام نہیں ہو پاتا۔ صدارتی نظام میں یہ تینوں طاقتیں صدر میں جمع ہو جاتی ہیں۔

صدارتی نظام کے لیے ہماری تجویز ہے کہ صدر کا انتخاب پاکستان کے تمام ووٹروں کے ذریعے عمل میں لایا جائے اور وہی امیدوار کامیاب قرار پائے جسے پچاس فی صد سے زائد ووٹ حاصل ہوئے ہوں۔ اگر پہلی مرتبہ نہیں تو دوسری مرتبہ دو میں سے ایک کو پچاس فی صد سے زائد ووٹ حاصل ہو جائیں گے (جیسا کی فرانس میں ہوتا رہتا ہے)۔

اس طرح جو صدر منتخب ہوگا اس کی پشت پر پچاس فی صد سے زائد ووٹروں کی طاقت ہوگی۔ عوام کے راست ووٹوں سے منتخب کیے گئے صدر کو اعتماد کے ووٹ کی ضرورت نہیں ہوگی لہٰذا وزراء کی تعداد اتنی ہی ہوگی جتنی کہ ضروری ہوگی۔ نہ انھیں بلیک میل کیا جا سکے گا اور نہ ہارس ٹریڈنگ ہو سکے گی۔ اب صدر پوری طرح بااختیار ہوگا۔ ٹرائیکا نہیں ہوگا اس لیے کسی طرح کی کھینچا تانی بھی نہیں ہوگی۔ وہ یکسوئی اور قوت کے ساتھ بیرونی اور اندرونی مسائل کا سامنا کر سکیں گے۔ Check & Balance کے لیے قومی اسمبلی موجود ہوگی۔ بجٹ وہیں پاس ہوگا۔ بل وہیں منظور ہوں گے۔ صدر چیف ایگزیکیوٹیو ہوگا جبکہ قومی اسمبلی صرف قانون ساز ادارہ ہوگی۔ یہی اسمبلی، صدر اور سپریم کورٹ کے اختیارات کا تعین کر سکے گی۔ اب چونکہ کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہوگی اس لیے صدر کی بھی کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہوگی اور عدلیہ بھی سیاسی فیصلے نہیں کرے گی۔

## ۳۔ صوبے چھوٹے اور متوازن کیے جائیں

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ پنجاب آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہے یعنی تقریباً ساٹھ فی صد، لہٰذا پورے ملک میں پنجابی زیادہ نظر آتے ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے سب سے چھوٹا صوبہ بلوچستان ہے جبکہ رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے۔ ایک دانش مندانہ فیصلہ ہوا تھا کہ ون یونٹ قائم کر دی گئی تھی۔ شکایتیں پیدا ہوئی تھیں جو حقیقی تھیں کہ مرکز لاہور تک رسائی دور دراز کے علاقوں کے لیے بہت مشکل تھی۔ اس کا آسان اور بہترین حل تھا کہ چھوٹے صوبے یا ریاستیں قائم کر دی جاتیں تاکہ لوگوں کے مسائل ان کے قریب مرکز میں حل کیے جا سکتے تھے، لیکن احمقانہ فیصلہ یہ ہوا کہ ون یونٹ توڑ کر صوبے بحال کر دیے گئے اور اب ہم اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں کہ خودمختاری کا مطالبہ کرتے کرتے اب تو بالکل آزادی اور علاحدگی کی باتیں شروع ہو گئی ہیں جو ہمارے پڑوسی ملک

ہندوستان کے لیے لقمہ تر ہیں کہ پہلے بھی وہ ہم سے مشرقی پاکستان علاحدہ کرواچکا ہے۔صوبائی اور لسانی عصبیت کو بڑھاوا دینا ایسا میٹھا زہر ہے کہ سب کو اچھا ذائقہ دیتا ہے۔

ہندوستان نے آزادی کے وقت کے آٹھ صوبوں کو اٹھائیس ریاستوں میں تقسیم کردیا ہے یہاں تک کہ ان کا پنجاب (مشرقی پنجاب) جو ہمارے پنجاب سے چھوٹا تھا اس کی تین ریاستیں بنا ڈالیں۔اب وہاں کہیں سے خودمختاری اور علاحدگی کی آواز نہیں اٹھتی ہے۔

ہماری تجویز ہے کہ پاکستان کو چودہ ریاستوں یا صوبوں یا انتظامی یونٹوں میں تقسیم کردیا جائے۔یہ تقسیم لسانی بنیاد پر نہ ہو جیسا کہ امریکہ کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے فٹ رول سے لکیریں کھینچ کر ریاستیں قائم کی ہیں۔

ایک اور فارمولا ہمارے سامنے ہے کہ ہم انگلینڈ کی طرح صوبے ختم کر کے صرف اضلاع رہنے دیں اور ملک میں ایک ہی مرکزی حکومت اور پارلیمنٹ ہو۔انگلینڈ میں نوے سے زائد اضلاع (Counties) ہیں جو اپنا نظام حکومت خود چلاتی ہیں۔

چودہ ریاستیں قائم کریں یا اضلاع، انھیں خود اپنے آپ پر حکومت کرنے دیں۔یہ اپنی اسمبلی منتخب کریں۔اپنے لیے قانون سازی کریں، اپنا گورنر چنیں، اپنے ہائی کورٹ قائم کریں۔اگر کوئی ریاست یا ضلع اپنے طور پر جس طرح رہنا چاہتا ہے، رہنے دیں۔ اگر یہ اسکول نہیں چاہتے ہیں، عورتوں کو پردے میں رکھنا چاہتے ہیں، سڑکیں نہیں بنانے دینا چاہتے ہیں، پولیو کے قطرے نہیں پلوانا چاہتے ہیں تو کرنے دیں۔ایک وقت آئے گا کہ وہ خود ترقی کے ثمرات کو محسوس کریں گے اور خود ہی اسکول قائم کرنے لگ جائیں گے۔البتہ انھیں افیم کی کاشت کرنے، ہیروئن بنانے اور اپنے ضلع یا ریاست سے باہر کارروائی کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکے گی۔ مرکز میں فوج یا مرکزی پولیس ایسے موقعوں پر مداخلت کرے گی۔ویسے اپنے یہاں امن وامان کے لیے ان کی اپنی پولیس ہوگی۔ان کی اپنی عدالت ہونے کے سبب موجودہ عدالتوں پر جو مقدمات کا بوجھ ہے وہ نہایت کم ہوجائے گا۔

میں کچھ مثالیں امریکہ کی دیتا ہوں۔میں جس کاؤنٹی میں رہتا تھا وہ ریاست کینٹکی کی کاؤنٹی تھی جس میں ووٹوں کے ذریعے شراب پینا ممنوع قرار دیا گیا تھا اور یہ Dry County کہلاتی تھی جبکہ پڑوس والی کاؤنٹی میں شراب کی اجازت تھی کہ وہاں شراب پینے کے حمایتی محض ایک ووٹ سے جیت گئے تھے۔لیکن ایسا نہیں ہوا تھا کہ ایک نے دوسرے کو شراب خانہ بند کرنے یا کھولنے پر مجبور کیا ہو۔

اس ریاست میں مرغ لڑانے کا بھی رواج تھا۔یہ ان کی ثقافت کا حصہ تھا۔اس پر کوئی پابندی نہیں تھی لیکن جب مرغ لڑانے والوں نے پنجوں کے ساتھ تیز بلیڈ باندھنا شروع کیا اور اس طرح مرغ لہولہان ہونے لگے تب پابندی لگادی گئی۔

تصور کیجیے کہ ایسا پاکستان قائم ہوگیا تو امن بھی قائم ہوجائے گا اور اتحاد بھی۔

اپنی شناخت زیادہ سے زیادہ اپنے ضلع یا اپنی ریاست کے حوالے سے ہوگی جس کا رقبہ اتنا مختصر ہوگا کہ دماغ میں ملک بنانے کا فتور پیدا نہیں ہوگا۔

تاہم یہ جو ہر کالا گورا، امیر غریب خود کو ''ہم امریکی، ہم امریکی'' کہتا رہتا ہے جبکہ ہمارے یہاں ''ہم پاکستانی، ہم پاکستانی'' کہنے والے بہت کم لوگ رہ گئے ہیں۔ ہر کوئی موجودہ صوبے کی شناخت رکھتا ہے۔ امریکہ نے صوبائیت اور علاقائیت کا زور توڑنے کے باوجود ایک ایسی ترکیب کی ہے کہ ''ہم امریکی، ہم امریکی'' ان کی گھٹی میں پڑ گئی ہے۔ وہ اٹھارہ برس کی عمر کے جوانوں کو فوج میں بھرتی کرتے ہیں اور دس سال کی ملازمت کے بعد فارغ کر دیتے ہیں جب ان کی عمر اٹھائیس برس ہوتی ہے۔ ان دس برسوں میں ان کے دماغ میں راسخ کر دیا جاتا ہے کہ ہم امریکی ہیں، ملک کے دفاع کے لیے جان قربان کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح اٹھائیس برس کے جوان فوجی تربیت پانے کے بعد جب معاشرے میں واپس آتے ہیں تو وہ کٹر امریکی بن چکے ہوتے ہیں۔

## ۴۔ زمین کے چپے چپے پر غلّہ اگائیں

اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لیے رزق کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے ایسی زمین بنائی ہے کہ جس سے غلّہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہر مخلوق کو رزق زمین سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو 'ارض اللہ' کہا ہے یعنی اللہ کی زمین۔ مال کے لیے جس طرح 'اموالکم' یعنی تمھارے مال کہا ہے اسی طرح زمین کو 'ارضکم' یعنی تمھاری زمین نہیں کہا ہے۔ اللہ بارشیں عطا کرتا ہے۔ پاکستان میں زمین کا بہت بڑا حصہ اب تک زیرِ کاشت نہیں لایا جا سکا ہے۔ علاقے ویران پڑے ہیں۔ کچھ جاگیرداروں کے پاس اتنے بڑے علاقے ہیں کہ خود ان کے فخر یہ اعلان کے مطابق گھوڑا صبح سے شام تک دوڑتا رہے تو احاطہ نہ کر سکے۔ کچھ خطہ شکار گاہوں کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ چولستان کا صحرا جہاں پانی پہنچا کر بہت بڑے پیمانے پر کاشت کی جا سکتی ہے یوں ہی رکھ چھوڑا گیا ہے۔ ہرنیں دوڑتی پھرتی ہیں۔

موسمِ برسات میں بارشیں خوب ہوتی ہیں۔ بہت سا پانی دریاؤں کے ذریعے بہتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے یا سطح سے بلند ہو کر سیلاب کی صورت میں ادھر ادھر بہہ کر فصلیں تباہ کرتا ہے اور انسانی آبادی کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ اب تک پاکستان میں شاید کوئی عرصہ گزرا ہو جب ہم نے باہر سے غلّہ نہ منگوایا ہو۔ چین کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ جو قوم اپنے کھانے کے لیے خود غلّہ پیدا نہیں کر سکتی وہ آزاد کس طرح رہ سکتی ہے۔ ظاہر ہے جو آپ کو کھانا کھلائے گا وہ کام بھی آپ سے اپنی مرضی کے مطابق کروائے گا۔

غلّہ پیدا نہ کر کے اللہ تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت یعنی پالنے اور رزق پہنچانے والے نظام میں رکاوٹ بلکہ مداخلت کی جاتی ہے۔

لوگ فاقے کرتے ہیں اور اوپر والے کی طرف دیکھتے ہوئے شکوہ کرتے ہیں۔ کاہے کو دنیا بنائی! لیکن قصور سارا تو اس مقتدر طبقے کا ہے جس نے زمین کو بنجر اور بے آباد رکھ چھوڑا ہے۔ زرعی ماہرین کا خیال ہے کہ کاشت کے لیے ایک شخص کے پاس بارہ ایکڑ سے زیادہ زمین نہیں ہونی چاہیے۔ ہندوستان نے ایسا ہی کیا ہے۔ جاگیرداری ختم کر کے کاشت کار کے پاس اتنی ہی زمین رہنے دی ہے جتنی کہ وہ بخوبی کاشت کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ایک ارب سے زیادہ آبادی کو کھانا کھلا رہا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ غلہ برآمد بھی کرتا ہے۔

ہم پانی کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ڈیم نہیں بننے دیں گے۔ جاگیرداری بھی ختم نہیں کرنے دیں گے تو پھر بندوں کو رزق کہاں سے ملے گا؟ ایک صورت تو یہ ہے کہ قانوناً جاگیرداری ختم کر کے زمین کسانوں میں تقسیم کر دی جائے اور شاید اب یہی صورت رہ گئی ہے ورنہ قرآن کے قانونِ وراثت پر عمل کیا جاتا جیسا کہ سورہ النسا میں حکم ہی نہیں دیا گیا ہے، حدود اللہ بھی کہا گیا ہے اور جہنم کی وعید بھی سنائی گئی ہے تو ورثا میں زمین تقسیم ہو کر اتنی رہ جاتی کہ ہر وارث بخوبی کاشت کر سکتا تھا۔ اب تو قانون ایسا ہی بنانا ہوگا کہ جو شخص تین سال تک اس بارہ ایکڑ زمین پر بلا عذر کاشت نہیں کر سکے گا اس سے یہ زمین واپس لے کر دوسرے کسان کو دے دی جائے گی۔ بلاشبہ پانی، زرعی آلات اور کھاد وغیرہ کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔

ایک اور بات علامہ اقبال نے کہی تھی:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

اقوامِ مغرب بھی ہمیں ترکیب میں خاص قوم ہی سمجھتی ہیں۔ تمام مغربی ممالک نے متحد ہو کر سوویت یونین کو کافر ریاست قرار دیتے ہوئے ہم مسلمانوں کو نہایت ہنرمندی سے استعمال کر کے اس کے ٹکڑے کر دیے۔ سوویت یونین کے بکھراؤ کے بعد امریکی پریس اور دانشوروں نے (اسرائیل کے کہنے پر) آئندہ کا دشمن اسلام کو قرار دینا شروع کر دیا۔ قوموں کی ترقی کے لیے ایک نفسیاتی عمل یہ ہے کہ کسی دشمن کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ دشمن نہ بھی ہو تو فرضی دشمن بنا لیا جائے۔ ۱۹۶۶ء میں جب میں چین گیا تھا وہاں نرسری کے بچوں کو ہاتھ میں کھلونے کی پستول لیے یہ کہتے سنا: Go back yankees۔ امریکیو دفع ہو جاؤ۔ مسلمانوں کو بھی کھلے دشمن شیطان کا تصور دیا گیا ہے جو تمام برائیوں کی علامت ہے۔ ہر لحظہ اس پر نظر رکھنی چاہیے اور اس کی چالوں، سازشوں اور بُرائیوں کے خاتمے کے لیے کوششیں کرتے رہنا چاہیے تب ہم صالح اور باکردار مسلمان بن سکتے ہیں۔ ہمیں کسی ملک، مذہب یا قوم کو دشمن قرار دینے کا تصور نہیں دیا گیا ہے لیکن ہم شیطان کو بھلا کر دنیا بھر کو دشمن بنا بیٹھے ہیں۔

امریکی آئین میں ایک بڑا نقص جو شامل تو نیک نیتی سے کیا گیا تھا لیکن اس کا نتیجہ بڑا خوفناک برآمد ہوا ہے۔ وہ یہ کہ صدر کو

چار چار سال کا دو ہی دورانیہ دیا گیا ہے۔ پہلے دورانیے میں چونکہ اسے دوسرے دورانیے کے لیے ووٹ لینا ہوتا ہے اس لیے اس عرصے میں اس کا سارا عمل نہایت شریفانہ اور انسان دوست ہوتا ہے لیکن پہلے دورانیے کے بعد اب چونکہ یہ اس کا آخری دورانیہ ہوتا ہے اور ووٹوں کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے وہ بے پرواہ ہو کر انسانیت سوز اقدامات کرنے لگ جاتا ہے۔ موجودہ صدر کے دوسرے دورانیے کا موازنہ آپ پہلے دورانیے سے کر کے فرق دیکھ سکتے ہیں۔ صدر ریگن نے بھی میرے خیال میں دوسرے دورانیے میں لیبیا پر فضائی حملہ کر کے معمر قذافی کی منہ بولی بیٹی کو شہید کر دیا تھا۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ جب مغرب کے بڑے سردار امریکہ نے اسلام کو دشمن قرار دیا تو جواز مہیا کرنے کے لیے یہودیوں نے نہایت ہنر مندی سے عرب جوانوں کو استعمال کرتے ہوئے 9/11 کا سانحہ برپا کر دیا۔

عراق کا خاتمہ کیا، صدام کو موت کے گھاٹ اتارا کہ اس نے خلیج کی جنگ میں اسرائیل پر اسکڈ میزائل گرائے تھے۔ عراق عرب ممالک میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک تھا۔ افغانستان پر قبضہ طالبان کے خاتمے کے لیے نہیں بلکہ بطور Base استعمال کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ یہیں سے پاکستان کے خلاف کارروائیاں کی جارہی ہیں۔ طالبان اور القاعدہ امریکی پیداوار ہیں۔ آخر کوئی بتائے کہ ایسا خودکش بیلٹ کون فراہم کرتا ہے جس کا صرف ایک بٹن دبانے سے بیلٹ پہننے والا اور آس پاس کے دس بیس بے قصور آدمی ایک لمحے میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ کوئی بتائے کہ انھوں نے ہم مسلمانوں کو کتنی بڑی تعداد میں ہلاک کیا ہے اور امریکیوں کو کتنی تعداد میں؟ کوئی بتائے کہ اسرائیل کا ایک بھی سپاہی عراق یا افغانستان میں ہلاک نہیں ہوا؟ کوئی بتائے کہ انٹرنیٹ کی تمام سہولتیں کون فراہم کر رہا ہے؟

پاکستان مسلمان ملک اور ایٹمی طاقت ہونے کے سبب مغرب کا خاص ہدف ہے۔ اسے غیر مستحکم کرنے کے لیے ہم نے دیکھا ہے کہ یہ ہمیشہ اپوزیشن کی حمایت کرتے ہیں اور علاحدگی کے مطالبے کو انسانی حقوق کا نام دے کر ہر طرح کی امداد دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ سیاسی پارٹیاں نہ ہونے سے مغرب کے لیے یہ راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔

اب دشمنوں کو زیادہ وقت نہیں دینا چاہیے۔ جلد سے جلد مجوزہ آئین کے مطابق پاکستان کو متحد اور مستحکم کیا جائے۔ اندرونی اتحاد اگر سیسہ پلائی دیوار بن جائے تو باہر سے دشمن کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ اللہ نگہبان!

قیصر سلیم

۱۴راگست ۲۰۰۸ء